ایک معلم کا عملی اور حقیقی طرز حیات سیرت طیبہ سے استفادہ

Real and Practical life of a Teacher In the Light of Life of Holy Prophet (PBUH)

Mehmood-ul-Hassan Chanar*
Aziz-u-Rehman**
Muneer Ahmed***

Abstract

Nations are identified, through their characteristics, behavior, conduct, power of thinking, determination, respect for humanity and adventures. Only material things do not guarantee the progress and development, until the individual of those nations have a proper line of action with sincerity, justice, high ethics and enlightment. If these just and sincere qualities are not in any nation, that nation cannot progress well. Today, as a nation there are serious threats to our culture and social edifice. And our frozen practice and progress can only be melted and activated by teachers. And no doubt, the life of Holy Prophet (P.B.U.H) is a source of great guidance for a teacher, because Holy Prophet (P.B.U.H) is the greatest teacher of humanity throughout the history and a teacher following the foot prints of teachings of Prophet ((P.B.U.H)) can lead any nation towards the apex of prosperity, progress and development. The life of Holy Prophet (P.B.U.H) vividly reflects that a teacher should be a model towards society and nation. His vision, his practices and his teachings should accord one another. It is an established fact that teacher is a leader to any nation.

Keywords: Responsibility of teacher, Islamic Ethics for teacher, Life of teacher, Moral of behavior

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی بناتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث مبارک میں ارشاد ہے:"ما من مولود إلا یولد علی الفطرة، فأبواه یهودانه وینصرانه ویمجسانه-[1] "

"پھر اللہ جل شانہ نے استاد اور والدین پر ذمہ داری رکھی ہے کہ اپنی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ ان بچوں کی بھی تربیت کا سامان کریں تاکہ جس طرح یہ استاد یا والدین صحیح علم حاصل کر کے اس پر عمل کر کے جنت کے مستحق بنیں تو ٹھیک اسی طرح یہ بچے بھی اخروی نجات حاصل کر سکیں۔ حدیث نبوی ہے کہ وکلکم مسئول عن رعیته[2] ۔۔۔: یعنی تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کا جوابدہ ہو گا۔ تو قیامت کے دن تمام انسان اللہ کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق مسئول ہوں گے۔"

"اگر استاد بچوں کی صحیح دینی اصلاح پر توجہ دیں تو یہ طلبہ نا صرف معاشرے کے بہترین افراد بن کر ملک و قوم کی خدمت کریں گے بلکہ اس استاد کی اخروی نجات کا بھی ذریعہ بنیں گے، اپنے استاد کے پیچھے پیچھے سیدھے جنت میں جائیں گے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالی کا فرمان ہے: والذین آمنوا واتبعتهم ذریتهم بإیمان ألحقنا بهم ذریتهم وما ألتنهم من عملهم من شيء--- الآیة-[3] "

* Government Elementary College of Education, Sukkur.
** Saifee, Department of Arabic, University of Karachi.
*** Visiting Faculty, NUST Islamabad.

''ترج مہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ایمان میں ان کے پیچھے چلی ہم ان کی اولاد کو بھی ان تک پہنچادیں گ ے اور ان کے اعمال میں سے کچھ کم نہ کریں گے۔''

تعلیم وت علم میں استاد کی حیثیت:

جس طرح جسم انسانی میں روح کی حیثیت ہے ایسے ہی نظام تعلیم میں استاد اور معلم کی حیثیت ہے۔ جیسے روح کے بغیر انسان ایک مر دہ جسم ہے اور بے کار چیز ہے، جسم میں اس کا کوئی متبادل بھی موجود نہیں ٹھیک اسی طرح نظام تعلیم میں ہزار تبدیلیاں، نصاب تعلیم میں تبدیلیاں، طریق ہائے تدریس میں جدت، اسباب تدریس کے بدلنے کے باوجود استاد اور معلم کی حیثیت وہی رہی یہ تمام تبدیلیاں اور جدتیں استاد کی جگہ نہیں لے سکیں اور نہ استاد کے متبادل کوئی نظام پیش کر سکیں۔

معلم کا مقام اور حیثیت آج بھی اسی طرح برقرار ہے جیسے پہلے تھی۔ جس طرح کسی ادارے کی اچھی سی اچھی عمارت معلم کے بغیر بے کار ہے اسی طرح کتنا ہی عمدہ نصاب تعلیم کیوں نہ ہو جب تک اسے پڑھانے کے لئے کوئی معلم نہیں ہو گا اس نصاب تعلیم سے کیسے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ جدید نظریہ تعلیم میں اگرچہ بنیادی حیثیت بچہ (شاگرد) کو دی گئی ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ بچہ بھی اس نصاب تعلیم سے فائدہ نہ ی ں اٹھا سکتا جب تک کوئی مشفق اور بالغ نظر استاد اسے مستفید کرنے کے لئے وہاں موجود ن ہ ہو۔

معلم کے بغیر وسیع و عریض عمارت، جامع نصاب تعلیم، جدید ترین طریقہ تدریس، اعلی اور قیمتی سمعی اور بصری معاونات بے کار ہیں یہ تمام سہولیات بچوں کو کچھ بھی نہیں دے سکتیں بلکہ ان کی اف ادیت کا دارو مدار معلم پر ہے وہی ان کو استعمال میں لاکر اپنے علم اور تجربے کی روشنی میں بچہ کی تربیت کرتا ہے۔

معلم کی نسبت:

شریعت مطہرہ میں معلم کا مقام اس کے رتبے اور تقدس کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ کائنات کی سب سے برگزیدہ ہستی سرکار دوعالم ﷺ نے اپنے لئے خود فرمایا کہ مجھے معلم بنا کر بھیج ا گیا ہے۔ اور اپنے معلم بنائے جانے کا مقصد اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں انسانیت کو اخلاق کے بلند ترین مقام تک پہنچادوں۔ کائ ن ات کو مسخر کرنے اور ستاروں پر کمند ڈالنے کا ہنر استاد ہی سکھایا کرتا ہے۔

''قرآن مجید کی متعدد آیات اس بات پر شاہد ہیں کہ کائنات کا سب سے بڑا معلم ﷺ نہ پڑھنا جانتا ہے ن ہ لکھنا، مگر اس معلم عظیم کا استاد خود خالق کائنات ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: وعلمك ما لم تكن تعلم--- الآية [4] ''

''ترجمہ: اور ہم نے آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے۔''

ان الفاظ پر غور کریں تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ جس معلم اعظم ﷺ نے کسی دنیاوی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں اس کا استاد خود خالق دوجہاں ہے۔ حضور پاک ﷺ کی تعلیم کا آغاز لفظ اقرا سے ہوا۔ باوجود اس کے کہ آپ امی محض تھے مگر اپنی شبانہ روز محنت اور کوشش سے وحی الہی کے ذریعے معاشرے کو وہ تابندہ نور بخشا اور ایک ایسی تعلیمی تحریک کی داغ بیل ڈالی (کہ ہر فرد ملت خواہ مرد ہو یا عورت علم

حاصل کرے)اور وہ سلسلہ تعلیم ج س ک آغاز "صفہ" کے مدرسہ سے کیا گیا تھا آج تک اسی طرح تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔پیغمبر اعظم ﷺ بحیثیت معلم عرب کے ریگزاروں می ں سینکڑوں میل کا سفر کر کے لوگوں کے قلوب واذہان کو اسلامی تعلیمات سے منور فرماتے رہے،اور معلم کی حیثیت سے ایک رول ماڈل ثابت ہوئے۔اور تمام بنی نوع انسان کے لئے مشعل راہ بنے۔

"معلم کی نسبت اولا خود واحد الاحد کی طرف ہے اور پھر اس کے بعد یہ نسبت خاتم المرسلین تاجدار مدینہ معلم اخلاق جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب ہے۔یہ ف رئضہ اور منصب پیغمبرانہ منصب ہے۔جس طرح پیغمبر مقدس ہے اسی طرح یہ پیشہ بھی مقدس ہے۔تمام انبیاء اللہ تعالی کے شاگرد ہیں۔رب ذوالجلال تمام انبیاء کے استاد و معلم ہیں۔دنیا میں شاگرد کو جو تعلیم دی جاتی ہے وہ اسباب مادی اور حواس خمسہ (آنکھ،کان،ناک،زبان،چھونا) کے ذریعے دی جاتی ہے جب کہ انبیاء کرام کی تعلیم کا سلسلہ قلوب کے ذریعے شروع کیا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: وعلم آدم الأسماء كلها۔۔[5] "

" ترجمہ: اور سکھائے آدم کو تمام نام۔"

اس آیت می ں اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کا تذکرہ بطور شاگرد کے فرمایا جس شاگرد کو اللہ تعالی خود تعلیم دیں تو اس کا علم بھی تام ہو گا۔

"نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا گیا: ويعلمكم الكتاب والحكمة ويعلمكم ما لم تكونوا تعلمون--- الآية [6] "

"ترجمہ:اور (یہ رسول) تم کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور ایسے علوم کی تعلیم دیتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔رب ذوالجلال نے اس آیت میں نبی کریم کا بطور معلم تذکرہ فرمایا ہے۔اس آیت کی تفسیر قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ نے بڑے خوبصورت انداز میں کی ہے کہ لفظ کتاب کے تحت شرائع الٰہیہ آجاتے ہیں اور لفظ حکمت کے تحت جملہ علوم فاضلہ و نافعہ داخل ہیں اور فقرہ ما لم تكونوا تعلمون کے تحت عالم ملکوت اور جہان قلب کے وہ اسرار و غوامض آجاتے ہیں جن سے تازمان بعثت عالم مادی کے کان ناآشنا اور متمدن دنیا کے قلوب بے بہرہ تھے۔[7]"

مذکورہ صدر ذکر سے آپ خیال فرمائیں کہ معلم کی نسبت اولا خود اللہ تبارک وتعالی کی جانب ہے ثانیا اس کی نسبت انبیاء کرام کی جانب خصوصا معلم انسانیت جناب محمد مصطفی احمد مجتبی ﷺ کی طرف۔اس ن س بت سے اس پیشہ کی تقدیس اور عظمت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

علم کی تعریف:

علم کا معنی سمجھنا یا سمجھ حاصل کرنا۔ہر شخص کے اندر غور و فکر،تدبر،سوچ کی صلاحیت ہوتی ہے اور وہ بات کو سمجھ سکتا ہے۔اب یہ بھی نہیں کہ انسانوں میں یہ صفات نہیں ہوتی فرق ص رف یہ ہے کہ کچھ انسان اپنی ان صفات کو مثبت کی بجائے منفی کاموں میں خرچ کرے تو اس کا اپنا قصور ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے علم کی تعریف بڑے خوبصورت اندز میں کی ہے۔فرماتے ہیں

"علم وہ ہے جو گناہ کرنے سے زائل ہو جاتا ہے اور گنہگار کو حاصل نہیں ہوتا۔اگر علم صرف الفاظ دانی کا نام ہے تو معاصی کے ساتھ بھی جمع ہو جاتا ہے بلکہ کفر کے ساتھ بھی۔ورنہ بیروت اور جرمن میں عیسائی عربی کے بڑے ادیب ہوتے ہیں۔ان کا حافظہ بھی قوی ہے ذہن بھی تیز

ہے۔پس معلوم ہوا کہ علم اس کا نام نہیں۔حقیقت میں علم کی حقیقت نور ہے جس کی نسبت قرآن میں ہے: قد جاءکم من الله نور وكتاب مبين اسی کو روح بھی فرمایاہے وأيدهم بروح منه بس حقیقت میں یہی چیز علم ہے [8] ''

''علم ایک نور ہے جس کے بارے میں قرآن حکیم ارشاد ہے:وجعلنا له نورا يمشي به في الناس [9] ۔ہم نے علم کو ایک نور بنایاہے جس کے ذریعے آپ لوگوں میں چلتے پھرتے ہیں۔اس نور کے ہوتے ہوئے دل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جوانب اربعہ سے اگر دشمنون کے نرغے میں بھی گھر جائے تو دل میں ذرا برابر بھی خوف پیدا نہیں ہوتا۔اس پر دلیل حضور پاک ﷺ کا وہ واقعہ ہے جب آپ کسی سفر میں ایک جگہ درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے اور کافر نے آکر آپ کی تلوار اٹھائی اور آپ پر تان لی اور کہا کہ آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ من يمنعك مني؟[10] تو آپ نے دلی اطمینان سے اور سکون کے ساتھ ارشاد فرمایا"اللہ" مجھے بچائے گا تعلق مع اللہ کے بغیر یہ ناممکن ہے۔علم اسی تعلق کا نام ہے ورنہ صرف الفاظ تو شیطان کو بھی بہت یاد تھے۔''

ضرورت علم و تعیین علم:

عربی کا ایک محاورہ ہے کہ الاشياء تعرف باضدادها۔کہ اشیاء کی حققیقت یا پہچان ان کی ضد سے ہوتی ہے۔جیسے اندھیرے کی روشنی سے،دن کی رات سے اور گرمی کی سردی سے وغیرہ۔اس میں دو رائے نہیں ہوسکتی کہ بینائی بہتر ہے اندھے پن سے،نور ظلمت سے اور علم جہل سے بہتر ہے۔لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہر جہالت گردن زدنی ہے اور ہر علم کا حصول واجب ہے؟اس کا جواب یقینا نفی میں ہے کیونکہ ہر علم کی تحصیل انسان کے دائرہ اختیار سے باہر ہے،بلکہ ہر جہل سے منزہ اور مبرا اور ہر علم سے متصف صرف اللہ تبارک وتعالی کی ذات ہی ہے۔

ہر انسان کے علم میں یہ بات ہے کہ انسان مرکب ہے دو اجزاسے بدن اور روح،عناصر اربعہ (مٹی،آگ،پانی،ہوا) سے مرکب بدن کثیف جز ہے اور یہ متعلق ہے علم سفلی سے۔روح مجرد ہے مرکب نہیں اور یہ متعلق ہے عالم علوی سے۔جزاول بدن محکوم ہے اور جزثانی روح حاکم ہے۔بدن اور روح کے بقا اور ارتقاء کے لئے تربیت اور حفاظت ضروری ہے۔اب بدن کی نشو ونما اور تربیت کے ایسے علوم کی تحصیل ضروری ہے جس سے کسب معاش ہوسکے اور بقاء انسانی کے لئے سہولیات میسر ہوسکیں۔مگر یہ علوم فقط حسب ضرورت ہی حاصل کیے جاسکتے ہیں نہ کہ کل علوم کسبیہ۔ورنہ علوم کی تحصیل میں ہی تمام عمر بیت جائے گی۔اور یہ علوم بجائے تعمیر کے تخریب جان کا ذریعہ ہوں گے۔

روح کی تعمیر اور تربیت کے لئے ایسے علوم کی ضرورت ہے جس کے ذریعے انسان اپنی حقیقی منزل تک رسائی حاصل سکے جو اس کی تخلیق کا مقصد ہے۔اور وہ علوم شرعیہ ہی ہیں جن کی اصل اور اساس قران مجید ہے۔انہی علوم کی بدولت اپنے خالق حقیقی کا قرب حاصل کر کے حیات جاودانی میں سرخرو ہوا جاسکتا ہے۔قرآن مجید کے نزول کا آغاز لفظ اقراء سے ہوا اور ابتداء ہی میں یہ مضمون پڑھایا گیا اقرأ باسم ربک الذی خلق:کہ اس رب کے نام کی تعلیم حاصل کرو جو خالق کائنات ہے. تو گویا اس علم سے ابتداء کرائی جارہی ہے جس سے معرفت ربانی حاصل ہوسکے۔اب اس حدیث کا مفہوم بھی سمجھ لینا چاہیے طلب العلم فريضة على كل مسلم کہ کس علم کا حصول فرئضہ قرار دیا جارہا ہے وہ یقینا وہی علم ہے۔(ا) جس سے رب ذوالجلال کی پہچان حاصل ہو۔(ب) جس علم سے بقدر ما يجوز به الصلوة نماز و طہارت

کے مسائل کا علم آسکے۔(ج)روزمرہ کی زندگی میں حلال وحرام کا علم حاصل ہو۔

معلم کا مقام:

"اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول اللہ کے معلم بنا کر بھیجنے کو منت (احسان) قرار دیا ہے ارشاد باری تعالی ہے: لقد من الله على المؤمنين إذ بعث فيهم رسولًا من أنفسهم-[11] "

"جو شخص کسی کو دین کی تعلیم دے وہ اس کے حق میں نعمت الٰہی ہے اس کی قدر و تعظیم اس پر لازم ہے اور اس تعلیم میں سبق پڑھانا اور مسئلہ بتلانا وغیرہ سب داخل ہیں۔ گویا معلم شاگرد کے حق میں اللہ کا احسان عظیم ہے۔اس کی تعظیم اللہ کا فرمان ہے۔جس طرح معلم کا مقام اللہ نے بتایا تو معلم کے فضائل اور مناقب کو اللہ کے نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے ہیں۔چنانچہ حدیث پاک میں ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جانتے ہو سب سے بڑا سخی کون ہے انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ دانائے حال ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سخی اللہ تعالی ہے پھر تمام بنی آدم میں سب سے زیادہ میں ہوں۔اور پھر وہ شخص جس نے علم دین سکھلایا اور اس کو پھیلایا یہ شخص قیامت کے تنہا ایک امیر کے آئے گا۔[12] "

"ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ استاد کی جتنی خدمت کر سکتے ہو تو کرو ورنہ اس کے لئے دعا کرو۔ من صنع إليكم معروفا فكافئوه، فإن لم تجدوا ما تكافئونه، فادعوا له حتى تروا أنكم قد كافأتموه-[13]"

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص تم پر احسان کرے اگر تم اس کی مکافات کر سکتے ہو تو کرو ورنہ اس کے لئے دعا کرو یہاں تک کہ تم نے اس کی مکافات کر دی۔

"مکافات کے اندر ہر قسم کی خدمت مال سے جان سے داخل ہو گئی جو اس حدیث میں مذکور ہے۔اسی طرح ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا تعلموا العلم، وتعلموا للعلم السكينة والوقار، وتواضعوا لمن تعلمون منه-[14] "

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علم سیکھو اور علم کے لئے سکینہ اور وقار اختیار کرو اور جس سے علم سیکھتے ہو اس کے ساتھ ادب و تواضع سے پیش آؤ۔

استاد کے ساتھ ادب اور وقار سے پیش آنا۔ بے شمار احادیث اس موضوع پر ہیں جن میں سے چند احادیث پر اکتفا کرتا ہوں صرف یہ یاد ہانی کرانے کی غرض سے کہ معلم کا مقام اور منصب بہت بلند ہے معلمین اپنا مقام پہچانیں اور اپنے اندر وہ صفات لانے کی کوشش کریں جو نبی پاک ﷺ کی تعلیمات کے اندر موجود ہیں۔

معلم کی صفات

(1)اخلاق:

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وإنك لعلىٰ خلق عظيم،[15] ترجمہ: بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں۔''

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں عفیفہ کائنات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے جب سوال کیا گیا کہ حضور ﷺ کا اخلاق بیان کریں اس کے جواب میں فرمایا کہ کیا تم قرآن کریم نہیں پڑھتے ہو پورا قرآن مجید آپ کا اخلاق ہے۔یعنی جن جن کاموں کی قرآن نے تلقین کی ہے آپ ان سب کا عملی نمونہ تھے۔[16]

''ایک اور روایت میں ہے وعن انس رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم أحسن الناس خلقا -''

'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق کا مجموعہ تھے۔[17] ''

''مذاہب عالم میں جتنے بھی کتابی اور غیر کتابی مذہب ہیں سب کی بنیاد اخلاق ہی پر ہے۔ جیسے مذاہب عالم کے دوسرے شعبوں میں ہر لحاظ سے اسلام ہی بہترین دین ہے اور سب سے آگے ہے ایسے ہی دنیا کے مصلحین میں محمد عربی ﷺ کا اخلاق سب سے اعلی ہے۔ معلم اعظم نے اخلاق کا جو عملی نمونہ پیش کیا ہے مصلحین عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ حضور پاک ﷺ نے اخلاق کو ایمان کا معیار بتایا ہے۔ایک روایت میں آتا ہے کہ تم میں ایمان کے اعتبار سے کامل ترین وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے اچھا ہے اور اپنی عورتوں کے حق میں بھی بہتر ہو۔[18] ''

عمدہ اخلاق کا مالک اللہ اور رسول اور دنیا والوں کا محبوب ہوتا ہے حضور علیہ السلام نے اعلی اخلاق والے کو کامل انسان قرار دیا۔ایک روایت میں آیا ہے حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا قیامت والے دن سب سے زیادہ کامل انسان کے بارے میں نہ بتاؤں ؟ تو لوگ خاموش ہو گئے آپ نے دو تین مرتبہ یہی ارشاد فرمایا تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا کہ ہاں یا رسول اللہ بتا دیں تو آپ نے فرمایا تم میں سے جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو گا۔(وہ کامل انسان ہو گا) [19]

اخلاق ایک ایسی بہترین خصلت ہے کہ نا صرف دنیا میں انسان کو معزز بناتی ہے بلکہ قیامت والے دن نامہ اعمال میں سب سے وزن دار چیز اچھے اخلاق ہی ہوں گے۔

''نبی مکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ما شيء أثقل في ميزان المؤمن يوم القيامة من خلق حسن، وإن الله ليبغض الفاحش البذيء ۔ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت والے دن مومن بندے کے ترازو میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری چیز کوئی نہیں ہو گی اور اللہ تعالی فحش گوئی اور بد زبانی کرنے والے کو ناپسند کرتے ہیں۔[20] ''

اسی طرح بے شمار احادیث میں حسن اخلاق کے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ جنت میں زیادہ کون لوگ داخل ہوں گے تو جواب میں فرمایا متقی اور اچھے اخلاق کے حامل جنت میں سب سے زیادہ داخل ہوں گے۔ کہیں فرمایا أكمل المؤمنين إيمانا أحسنهم خلقا[21]۔ترجمہ: سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہوں گے۔ایک اور حدیث میں جنت میں محل دلانے کی ضمانت لی اس شخص کی جس کے اخلاق اچھے ہوں گے [22]۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اچھے اخلاق کی دس علامات لکھی ہیں: (ا) جھگڑالو نہ ہو۔(ب)عادل ہو۔(ج)لوگوں کے عیوب نہ دیکھے۔(د) برائی میں بھی اچھائی کے پہلو دیکھے۔(ہ)معذرت کا طالب ہو۔(و) تکالیف پر صبر کرنے والا ہو۔(ز)اپنے نفس کو ملامت کرنے والا ہو۔(ق)دوسروں کے نہیں اپنے عیوب کو تلاش کرے۔(ط)خندہ پیشانی سے ملے۔(ی)ہر ایک سے نرمی سے بات کرنے والا ہو۔[23]

جب ہم حضرت عائشہ کی حدیث پر غور کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ کل قرآن حضور کریم ﷺ کا اخلاق ہے جب قرآن مجید اخلاق نبوی ہو اور حضو پاک کی حیات طیبہ اس کی عملی تفسیر ہو تو صرف چند نکات میں اخلاق جیسی صفت کو احاطہ تحریر میں لایا نہیں جا سکتا۔

(2) صبر:

اساتذہ کرام کو اس بات کا دھیان ہونا چاہیے کہ ان کا مقام نہایت بلند اور عالی ہے استاد شاگرد کو زمین سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک لے جاتا ہے۔ معاشرے کو سنوارنے میں استاد کا کردار بہت اہم ہے اساتذہ کے ذمہ تعلیم و تربیت رکھی گئی ہے تو یاد رکھیں کہ تعلیم اور تربیت بھی انسانوں کے اس طبقے کی جس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے لہذا بچوں کی شرارتیں، ان کا تنگ کرنا، سبق یاد نہ کرنا، کلاس سے غیر حاضر رہنا، غیر متعلق سوالات، توجہ نہ دینا وغیرہ بہت سے امور ہیں جن پر اساتذہ کو غصہ آنا ایک فطری عمل ہے۔ مگر اس پر قابو پانا بھی انسانی بساط میں اور ایک ماہر استاد کا کام ہے۔ اول تو ایسا شخص استاد نہ بنے جو گرم مزاج رکھتا ہو، عصیلہ ہو، غصے کو برداشت نہ کر سکتا ہو، آپے سے باہر ہو جاتا ہو۔ ایسے شخص کو معلم بننے سے گریز کرنا چاہیے۔ اگر ایسے استاد کسی کے ساتھ کچھ ایسا معاملہ ہو بھی جائے تو اپنی بساط کی حد تک اسے برداشت کرنا چاہیے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں کہیں نبی پاک ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا آپ نے نجرانی چادر اوڑھ رکھی تھی اچانک ایک بدو سامنے آیا اور نبی پاک کی چادر کے دونوں پلوؤں کو پکڑ کر زور سے کھینچا کہ حضور کی گردن مبارک پر نشان پڑ گئے اور کہنے لگا کہ اے محمد آپ کے پاس اللہ کا دیا ہوا جو مال ہے اس میں سے کچھ مال مجھے دینے کا حکم کیجئے۔ حضور اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے اور حکم دیا کہ اسے مال دیا جائے۔ علامہ نوویؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے ''فيه احتمال الجاهلين والإعراض عن مقابلتهم ودفع السيئة بالحسنة وإعطاء من يتألف قلبه والعفو عن مرتكب كبيرة'' ۔[24]

اس حدیث مبارکہ میں اللہ کے نبی نے امت کو سکھایا کہ صبر کیا ہوتا ہے اس سے بڑھ کر کوئی شاگرد اپنے استاد کے ساتھ اور کیا کر سکتا ہے جو کچھ اس بدو نے کیا۔

''اسی طرح ایک روایت میں ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ نے کچھ مال تقسیم کیا تو ایک شخص نے کہا إن هذه لقسمة ما أريد بها وجه الله، یعنی اس مال کے تقسیم کرنے میں اللہ تعالی کی رضا کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آکے یہ بات حضور ﷺ کو بتائی تو آپ غصہ میں آگئے یہاں تک کہ چہرہ انور غصے سے متغیر ہو گیا پھر آپ نے فرمایا: يرحم الله موسى، قد أوذي بأكثر من هذا فصبر ۔ یعنی اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ تکلیفیں دی گئی لیکن انہوں نے صبر کیا۔[25] ''

اس معلم اعظم کو کس کس طرح کے الزامات اور طعنوں کا سامنا کرنا پڑا مگر معلم انسانیت نے تمام معلمین کو یہ سکھایا کہ صبر پر عمل پیرا کیسے ہوا جاتا ہے۔ نبی کریم کی تعلیمات میں سے جب ہم نے صبر کی اہمیت کو سمجھ لیا تو اسی ضمن میں یہ دیکھنا چاہیے کہ طلبہ کو سزا دیتے وقت سزا کا کون سا طریقہ ہو؟ اس سلسلہ میں سب سے پہلی اور اہم بات یہ کہ سزا غصہ اتارنے کے لئے نہ دی جائے بلکہ طلبہ کی اصلاح کا پہلو مد نظر ہونا چاہیے۔ یعنی تادیب مقصود ہو تعذیب نہیں ان پر رحم کرنا، مہذب بنانا، مقصود ہو جذبہ انتقام اور تکلیف دینا نہ ہو۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ حضور نے کیسی تربیت دی۔

"حضرت معاویہ بن حکیم رضی اللہ عنہ س ے روایت ہے ما رأيت معلما قبله ولا بعده أحسن تعليما منه، فوالله، ما كهرني ولا ضربني ولا شتمني یہ طویل روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ بن حکیم سلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا تو نماز میں ایک آدمی کو چھینک آئی میں نے یرحمک اللہ کہا تو حضرات صحابہ کرام نے مجھے گھور کر دیکھا میں نے کہا تم لوگ مجھے کیوں گھور رہے ہو تو وہ مجھے خاموش کرانے کے لئے اپنی رانوں پر ہاتھ مارنے لگے تو میں سمجھا کہ مجھے خاموش کرا رہے ہیں تو میں خاموش ہو گیا جب حضور ﷺ نے نماز ختم کی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ نے مجھے بلایا نہ مجھے ڈانٹا نہ مارا اور نہ برا بھلا کہا بلکہ پیار و محبت سے فرمایا کہ نماز میں کسی قسم کی بات چیت کرنا صحیح نہیں بلکہ نماز صرف تسبیح تکبیر اور قرآن کی تلاوت کا نام ہے۔ اس میں باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔"[26]

دیکھیں حضور علیہ السلام نے کیسے پیارے انداز میں تربیت فرمادی۔ نہ مارنے کی ضرورت پڑی نہ ڈانٹنے کی بلکہ پیار سے بات سمجھا دی۔ اگر طلبہ کو سزا دینا ناگزیر ہو تو حتی الوسع مار سے گریز کیا جائے۔ بلکہ نفسیاتی سزا سے کام لیا جائے مثلاً کلاس میں کھڑا کر دینا، کان پکڑوا دینا، کچھ دیر کے لئے کلاس سے باہر نکال دینا، چھٹی بند کر دینا، حسب موقع کوئی کام بطور سزا کے کروا دینا وغیرہ اگر بچہ پھر بھی باز نہ آئے تو چھڑی سے سزا دیں مگر اس میں بھی چند باتوں کا لحاظ رکھیں۔ (ا) بچہ کی عمر دس سال کم نہ ہو کیوں کہ نماز جیسے اہم کام میں کوتاہی پر بھی دس سال سے کم بچے کو سزا نہیں بلکہ فقط سمجھانا ہے تو کسی اور کام پر مارنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے (ب) ایک ہی جگہ پر تین دفعہ سے زیادہ نہ مارے (ج) مار کا اثر دل تک نہ پہنچے، ہڈی متاثر نہ ہو، زخم نہ لگے، خون نہ نکلے (د) چھڑی درمیانی ہو (ہ) جسم کے مختلف حصوں پر ماری جائے ایک ہی جگہ پر نہیں (و) چہرہ، شرمگاہ، سر سینہ، پیٹ پر نہ مارا جائے اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا إذا ضرب أحدكم فليتق الوجه: جب تم میں سے کوئی کسی کو مارے تو چہرے پر مارنے سے گریز کرے۔[27]

اسی طرح باقی اعضائے جسم نازک ہیں ان پر مارنا سخت مضر ہے۔ اس لئے منع کیا گیا۔ (ز) غصے کی حالت میں نہ مارے۔ (ق) جس وجہ سے مار دی جائے وہ وجہ بھی بتائی جائے تاکہ تادیب کا مقصد حاصل ہو سکے۔

(3) نرم مزاجی اور خوش مزاجی:

"قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك: کہ اللہ کی

رحمت ہے کہ آپ نرم دل مل گئے ان کو اور اگر آپ تند خو سخت دل ہوتے تو متفرق ہو جاتے آپ کے پاس سے۔"[28]

"گو یا نرم دل ہونا اللہ کی رحمت ہے اور یہ نرمی استاد اور معلم کے لئے بہت ہی ضروری ہے نیز معلم کے لئے نہایت ضروری ہے کہ متواضع اور عاجزی والا ہو۔ تعلیم و تعلم ایک عبادت ہے اور عبادت میں جتنی عاجزی اور تواضع ہو گی اسی قدر ثواب میں اضافہ ہو گا۔ نبی پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: إن الله تعالى أوحى إلي أن تواضعوا کہ اللہ تعالی نے مجھے وحی کے ذریعے کہا کہ تم عاجزی کرو۔[29] "

ایک اور روایت میں ہے کہ عاجزی (نرمی) اختیار کرو جن کو سکھاتے ہو یا جن سے سیکھتے ہو۔[30]

عمدہ اور اچھی نصیحت وہ ہے جو دل پر اثر کرے اگر نصیحت دل پر کار گر نہیں ہوتی تو نصیحت کرنا بے کار ہو گا۔ عموماً طلبہ کو نصیحت کی ضرورت پڑتی ہے کبھی اجتماعی اور کبھی انفرادی نصیحت کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ آپ کا مخاطب اکتا نہ جائے یا اسے اپنی توہین اور ہتک نہ محسوس ہو کیونکہ اگر اسے اپنی عزت نفس مجروح ہوتی محسوس ہوئی تو نصیحت بے کار ہو جائے گی۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صحیح طرح وضو نہیں کر رہا تھا تو اسے کہا چچا جان ذرا دیکھنا میں وضو صحیح کر رہا ہوں اور پھر انہیں وضو کر کے دکھایا تو وہ صاحب سمجھ گئے کہ میرا وضو غلط ہے۔ نرمی سے جو بات سمجھائی جائے تو دل پر اثر انداز ہوتی ہے۔

حضور پاک ﷺ اکثر کسی قوم یا قبیلے کی کوئی غلطی سامنے آتی تو یوں ارشاد فرماتے، ما بال قوم یعنی قوم کو کیا ہو گیا ہے۔[31]

"حضرت عمر ابن مرۃ رضی اللہ عنہ کو حضور پاک نے پانچ نصیحتیں کی ں جب وہ اپنی قوم کے پاس معلم بنا کر بھیجے جا رہے تھے، علیك بالرفق والقول السديد، ولا تكن فظا ولا متكبرًا ولا حسودا (ا) نرمی سے پیش آنا (ب) صحیح اور سیدھی بات کرنا (ج) سخت کلامی اور بد خلقی سے پیش نہ آنا (د) تکبر نہ کرنا (ہ) حسد نہ کرنا"۔[32]

ہر معلم اور مبلغ کو چاہیے کہ حضور پاک کی ان ہدایات پر عمل کریں۔ اسی طرح حضرت عمرو بن طفیل الدوسی رضی اللہ عنہ کو حضور نے جب دوبارہ اپنی قوم کے پاس واپس بھیجا تو فرمایا ارجع الی قومک وارفق بھم وادعھم الی الاسلام ۔ترجمہ اپنی قوم کے پاس واپس جاؤ اور ان پر نرمی کرو اور ان کو اسلام کی دعوت دو۔[33]

دیکھیں اللہ کے نبی نے کس طرح نرمی اور مہربانی کا درس دیا۔اسی طرح نبی کریم نے کسی غلطی پر تنبیہ اور سمجھانے کا عملی نمونہ دکھایا ہے۔ایک روایت میں ہے ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ جماعت ہو رہی ہے اور لوگ رکوع میں پہنچ گئے ہیں تو وہ وہیں سے نیت باندھ کر رکوع میں شامل ہو گئے اور پھر چلتے چلتے صف میں شامل ہو گئے۔ جب نماز ختم ہو گئی تو انہوں نے آپ سے ذکر فرمایا تو آپ نے پہلے تو ان کی حوصلہ افزائی کی اور فرمایا زادک اللہ حرصا، اللہ تیرے اس حرص کو مزید بڑھائے اور پھر فرمایا لا تعد آئندہ ایسا نہ کرنا۔[34]

معلم کو چاہئے کہ وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ خوش مزاجی سے پیش آئے۔ حضور علیہ السلام کی سیرت مبارکہ میں ایسے بہت سے واقعات ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ نبی پاک ﷺ اپنے شاگردوں (صحابہ کرام) سے مسکرا کر اور مزاحا گفتگو فرماتے تھے۔ جو استاد ہمیشہ کرخت لہجے سے

چہرے پر غصہ اور موڈ آف کر کے رہتے ہیں ایسے استاد سے استفادہ کماحقہ ممکن نہیں ہوتا۔ کیونکہ طلبہ ایسے استاد کے رعب کی وجہ سے کچھ بھی پوچھنے سے ڈرتے ہیں اور ان کے تمام سوالات دل ہی دل میں رہ جاتے ہیں اس لئے طلبہ سے ہنسی مزاح اور نشاط طبعی کے لئے لطائف علمیہ کے ذریعے ان کو ہنسانا چاہیے تاکہ طلبہ اساتذہ سے ہر مسئلے کے حل کے لئے سوالات کریں۔ حدیث مبارک کے اندر متعدد واقعات آتے ہیں جن میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کے ساتھ خوش طبعی فرمائی جیسے ایک صحابی کو دو کانوں والا کہتے تھے۔اسی طرح ایک صحابی رضی اللہ عنہ جن کے ہاتھ بڑے تھے انہیں ذوالیدین کہتے تھے۔اسی طرح کی خوش طبعی صحابہ رضی اللہ عنہ بھی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کرتے تھے۔اسی خوش طبعی اور خوش مزاجی کا ہی نتیجہ تھا کہ حضرات صحابہ اپنے ذاتی مسائل اور علمی سوالات حضور اکرم سے کرتے اور تشفی حاصل کرتے۔

4۔درگزر اور معاف کرنا:

انسان کے اندر دو قسم کے مادے پائے جاتے ہیں ایک مادہ حیونیت دوسرا مادہ نورانیت، مادہ حیوانیت کی وجہ سے انسان سانپ، شیر اور دیگر درندوں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔جب کہ مادہ نورانیت کی وجہ سے انسان فرشتوں سے بھی بلند درجہ اختیار کرتا ہے۔انسان بدی کا انتقام جلدی اور دس گناہ دینے کی کوشش کرتا ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے جب کہ احسان اور نیکی کے بدلے کے لئے سالہا سال بھی لگ جاتے ہیں۔جب کہ قرآن مجید نے معافی اور درگزر پر زیادہ زور دیا ہے۔قرآن میں ہے فاعفوا واصفحوا۔یعنی معاف کرو اور درگزر کرو۔[35] اللہ نے اپنے پسندیدہ لوگوں کی صفات کو اس طرح ذکر کیا والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس،اور غصے کو دبانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے۔[36]

''انبیاء کرام میں سے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو جنھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ بدترین سلوک کیا،انہیں ہلاک و قتل کرنے کی سازش کی، حضرت یعقوب علیہ السلام سے کئی سال تک حضرت یوسف علیہ السلام کو جدا رہنا پڑا انہی کی وجہ سے ، یہاں تک کہ حضرت یعقوب بینائی سے محروم ہو گئے۔ مگر اس کے باوجود حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو فرمایا لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو أرحم الراحمین یعنی آج تم پر کوئی گرفت نہیں اللہ تعالی تم سب کو معاف کرے وہ سب رحم کرنے والوں میں سے بڑھ کر رحم والا ہے''۔[37]

فتح مکہ کے دن حضور پاک ﷺ نے اپنے سخت ترین اور جانی دشمنوں کو معاف کرتے ہوئے فرمایا اذھبوا فانتم الطلقاء، جاؤ تم سب آزاد ہو۔[38] حضور پاک ﷺ کا اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کو معاف کرنا چچا بھی وہ جو دودھ شریک بھائی بھی ہے مگر جب وحشی جب معافی کے خواستگار ہوئے تو حضور ﷺ نے ان کو معاف کر دیا تو اساتذہ کرام کو بھی درگزر اور معافی والا معاملہ کرنا چاہیے۔اپنے طلبہ اور شاگردوں سے کبھی انتقام نہ لیں بلکہ سزا اگر دینی ہے تربیت اور تادیب کی نیت سے دے نا کہ انتقام اور بدلے کے جذبے سے۔

5۔غرور و تکبر: تکبر کا معنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کو حقیر اور کمتر خیال کرنا یہ اتنی بری صفت ہے کہ اس نے شیطان کو بارگاہ ایزدی سے راندہ درگاہ کر دیا شیطان کو بہکانے کے لئے کوئی اور ابلیس تو نہیں آیا تھا بلکہ اسی اندر کے تکبر ،اناخیر منہ نے دربار الہی سے دربدر اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ملعون کر دیا۔قرآن حکیم کی کئی آیات اور متعدد احادیث مبارکہ میں تکبر کی مذمت بیان ہوئی۔قرآن میں ارشاد

ہے ولا تمش في الأرض مرحا زمین پر اکڑ کر مت چلو۔[39]

اکڑ کر چلنا متکبرین کی علامت ہے اور تکبر کرنے والے متکبرین کا انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا: فبئس مثوى المتكبرين : متکبرین کا ٹھکانہ بہت برا ہو گا۔[40]

نبی پاک نے بہت سی احادیث میں تکبر کی مذمت بیان ہے۔ "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر کہ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا"۔[41]

"ایک حدیث قدسی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: قال الله عز وجل: العز إزاري، والكبرياء ردائي، فمن ينازعني في واحد منهما فقد عذبته۔ ترجمہ: عظمت میرا ازار ہے، اور کبریائی میری چادر ہے جو شخص مجھ سے اس کو چھینے گا تو میں اس کو (جہنم کا) عذاب دوں گا"۔[42]

"ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ألا أخبركم بأهل النار: كل عتل، جواظ مستكبر کیا میں تمھیں جہنمیوں کی خبر نہ دوں؟ ہر سرکش، بخیل، اور متکبر جہنمی ہے۔"[43]

خلاصہ:

جو شخص علم دین سے عاری ہو اور وہ تکبر کرے تو کہا جا سکتا ہے کہ دینی تعلیم سے محروم ہے اور متکبر ہے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ معلمین خصوصا دینی اساتذہ اس مرض کے اندر مبتلا ہیں۔ جب کہ اس کی قباحت، برائی اور اس کا انجام علماء سے زیادہ تو کوئی نہیں جانتا۔ معلمین حضرات کو اس بات کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ انہیں اللہ نے علم آگے پھیلانے کے لئے منتخب کیا اور ان کے ذریعے ہزاروں قوم کے بچے اپنے اخلاق کو سنوار کر زیور تعلیم سے آراستہ ہو کر ملک و قوم اور مذہب کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ وہیں معلمین کو توبہ واستغفار کو بھی اپنانا چاہیے کہ نجانے ایسے کتنے طلبہ ہوں گے جو اس کے تکبر اور برے رویے کے سبب تعلیم سے محروم ہو گئے۔

معلم تکبر جیسی قبیح صفت سے پاک اور مبرا ہو اپنے آپ کو کسی اور جہاں کی مخلوق، اور سامنے بیٹھنے والے شاگردوں کو گھٹیا اور کم تر نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس لئے کہ اگر معلم اسی تکبر میں پڑا رہے تو وہ اپنے علم کے نور سے محروم ہو جاتا ہے۔ جب استاد ہی اپنے علم کے نور سے محروم ہو جائے تو وہ اپنے طلبہ اور پڑھنے والوں کو نور ایمانی سے کیا مزین کرے گا۔

6۔افہام و تفہیم:

کسی استاد معلم کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر اتنی قابلیت ہو کہ وہ اس کتاب یا مضمون میں مہارت تامہ رکھتا ہو، اس کی باریکیوں سے کما حقہ واقف ہو، کسی علم کا صرف پڑھ کر پڑھا دینا کوئی کمال کی بات نہیں بلکہ اس کتاب یا مضمون میں ایسی مہارت ہو کہ وہ علم اس معلم کی صفت یا پہچان بن جائے تب جا کے کہیں صحیح نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ مہارت اور مطالعہ کے بغیر تدریس سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے ۔جب تک معلم خود اس بات کو یا مضمون کو صحیح طرح نہیں سمجھ پائے گا تو طلبہ کو کیسے مطمئن کرے گا۔

"نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ حضور پاک ﷺ صحابہ کرام کو اچھی طرح بات سمجھاتے تھے اور کبھی کبھی کوئی مہتم بالشان بات ہوتی تو اسے تین بار دہراتے تھے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: إذا تكلم بكلمة أعادها ثلاثًا، حتى تفهم عنه، وإذا أتى على قوم فسلم عليهم، سلم عليهم ثلاثا نبی کریم ﷺ جب کوئی بات ارشاد فرماتے تو تین مرتبہ اسے دہراتے تھے حتی کہ وہ (خوب) سمجھ لی جاتی اور جب کسی قوم کے پاس آتے اور انہیں سلام کرتے تو سلام بھی تین مرتبہ کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین مرتبہ گفتگو اور سلام کا دہرانا مستحسن ہے"۔[44]

طالب علم کا حق ہے کہ اگر کوئی بات سمجھ نہ آئے تو سوال کرے مگر استاد اس کے سوال کا جواب خوشی سے دے اسے ڈانٹے نہیں یا تلخی سے نہ بولے۔ حضرت عائشہ جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسی بات سنتی تھیں جو ان کو معلوم نہ ہوتی تو برابر رسول اللہ سے پوچھتی رہتی یہاں تک کہ سمجھ لیتیں۔ بخاری شریف کی روایت ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص حساب میں گرفتار ہوا تو وہ عذاب میں مبتلا ہوا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیا اللہ تعالی نے یوں نہیں فرمایا فسوف يحاسب حسابا يسيرا کہ حساب آسان کیا جائے گا تو رسول اللہ نے فرمایا کہ یہ پیشی ہے ورنہ جس سے حساب کا مناقشہ کیا گیا وہ ہلاک ہوا۔[45]

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ "اگر استاد کی تقریر میں کوئی شبہ رہے اور طالب علم اس کو پوچھنے لگے تو ناخوش نہ ہونا چاہیے البتہ اگر فضول سوال ہو تو ناخوشی کا اظہار کرنا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ حدیث لقطہ میں ابل (اونٹ) کے سوال پر حضور پاک کا برہم ہونا مذکور ہے"۔[46]

جناب نبی پاک ﷺ سے ایک شخص نے لقطہ (گری ہوئی چیز) کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس کا سر بند اور ظرف پہچان کر مالک تک پہنچا دے۔ اس سائل نے کہا کہ گمشدہ اونٹ کا کیا حکم ہے اس سوال پر آپ کے چہرے پر غصہ کے آثار نمودار ہوئے آپ نے فرمایا تجھے اس سے کیا سروکار؟ اس کے ساتھ اس کے کھر (پاؤں) ہیں، اس کا مشکیزہ ہے، پانی کے گھاٹ پر خود پہنچ جائے گا اور درخت کے پتے خود کھا لے گا۔[47] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استاد بے ڈھنگے سوال پر غصہ کر سکتا ہے۔

"اسی سلسلہ کی ایک اور کڑی کہ ضرورت کے تحت طلبہ کے سامنے بلند آواز سے تقریر کریں تاکہ پیچھے اور فاصلے پر بیٹھنے والے طلبہ بھی مستفید ہو سکیں۔ جیسا کہ نبی پاک حسب حاجت بلند آواز سے خطاب فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح طلبہ کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق مضمون بیان کیا جائے ورنہ ساری تقریر اور محنت رائیگاں جائے گی۔ حضرت علی فرماتے ہیں حدثوا الناس، بما يعرفون أتحبون أن يكذب، الله ورسوله ۔ یعنی لوگوں کے سامنے ایسی بات کہو جو وہ سمجھیں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔[48] ضرورت پڑنے پر کمرہ جماعت میں ہی طلبہ کی تقسیم اور گروہ بندی کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے حضرت ابو سعید حذری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم پر مرد غالب آگئے ہیں کہ آپ کا وعظ سننے کا موقع ہم کو نہیں ملتا ہمارا بھی ایک دن مقرر کر دیجئے، آپ نے ان کے لئے وعظ و نصیحت اور احکام الٰہی سنانے کا ایک دن مقرر فرمایا"۔[49]

اس حدیث سے تقسیم اور جماعت بندی کا طلباء کے لئے مصلحت ہونا معلوم ہوا۔ جب طلبہ میں سے کوئی سوال کرے اور جواب ذہن میں نہ ہو تو غلط جواب بتانے سے بہتر ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس وقت معلوم نہیں بعد میں بتاؤں گا، کسی سے پوچھ کر یا کسی کتاب میں دیکھ کر بتاؤں گا۔ نبی پاک کی تعلیمات سے یہی بات مترشح ہوتی ہے۔ کل علوم کا ادراک اور احاطہ صرف خاصہ خداوندی ہے اس کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسا نہیں جو کل علوم کا جاننے والا ہو۔

دنیا میں نبی پاک سے بڑا عالم کوئی نہیں مگر کئی سوالوں میں آپ نے جواب دینے کی بجائے صاف کہہ دیا لآادری مجھے معلوم نہیں جب وحی نازل ہوتی تو بتا دیتے۔ پھر جتنا سوال کیا گیا ہو اگر اس کے ساتھ اور باتیں بتانا بھی ضروری ہو تو بتا دیں صرف جواب پر اکتفانہ کریں نبی کریم ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا تو تفصیل سے جواب دیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم سے سوال کیا کہ محرم کیا پہنے؟ تو آپ نے فرمایا کہ کرتا، عمامہ، پاجامہ، ورس وزعفران کا رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے جوتا نہ ہو تو موزے پہنے اور موزوں کو جوتے کی طرح کاٹ لے۔[50] اب شفقت کا تقاضا یہ ہے کہ سائل کے جواب پر اکتفانہ کرے بلکہ زائد بات جو سوال کے متعلقات میں سے ہو بتلادے۔

بحث کا خلاصہ:

(ا) طلبہ کو خوب اچھی طرح سمجھائیں پوچھنے پر بار بار بات کو دھرائیں۔

(ب) طالب علم کے سوال پر اسے ڈانٹیں نہیں بلکہ خوشی سے جواب دیں ہاں غیر متعلقہ اور بے ڈھنگے سوال ہوں تو ڈانٹ بھی سکتے ہیں۔

(ج) طلبہ کے نہ سمجھنے پر اگر طلبہ بار بار سوال کریں تو بار بار اچھی طرح سمجھا کر جواب دیں۔

(د) طلبہ کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق ان کو آسان لفظوں میں سمجھائیں، مغلق اور ثقیل الفاظ سے گریز کریں، ورنہ ساری تقریر اور محنت رائیگاں جائے گی۔

(ہ) ضرورت پڑنے پر طلبہ کی تقسیم بندی کی جائے۔

(و) طلبہ کے سوال پر غلط جواب بجائے لاادری کہنا بہتر ہے۔

(ز) جتنا سوال کیا جائے اس سے زائد سوال کے متعلقات کو بھی بتانا چاہیے۔

حوالہ جات

1. مسلم: از امام مسلم بن حجاج نیشاپوریؒ، صحیح مسلم، کتاب القدر، رقم حدیث (2658)۔
2. صحیح مسلم، رقم حدیث (1829)۔
3. سورۃ الطور: آیت نمبر 21۔
4. سورۃ النساء آیت نمبر 113-
5. سورۃ بقرہ آیت نمبر 31۔

6. سورۃ بقرہ آیت نمبر 151-
7. منصور پوری، رحمۃ للعالمین ج 19/3۔ مرکز الحرمین الاسلامی۔
8. تھانوی، رسالہ آئینہ مظاہر ص 17۔
9. سورۃ انعام آیت نمبر 122-
10. صحیح مسلم، رقم حدیث (843)۔
11. سورۃ آل عمران آیت نمبر 164۔
12. بیہقی۔ احمد بن الحسن المتوفی 458، شعب الایمان، حدیث نمبر 1632)، مکتبہ رشد ریاض سعودی عرب طبع 2003/1423۔
13. ابوداؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی المتوفی، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 1672)، مکتبہ عصریہ صیدا بیروت۔
14. ہیثمی: ابوالحسن نورالدین المتوفی 807ھ، مجمع الزوائد، حدیث نمبر 545، مکتبہ القدسی القاہرہ سن طباعت 1414ھ، 1994م۔
15. سورۃ نون آیت نمبر 4۔
16. عثمانی مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ج 8 ص 532، مکتبہ ادارت المعارف کراچی۔
17. صحیح مسلم، رقم حدیث (659)۔
18. بیہقی۔ احمد بن الحسن المتوفی 458، شعب الایمان، حدیث نمبر 27۔
19. بیہقی: احمد بن الحسن المتوفی 458، شعب الایمان، حدیث نمبر 7619۔
20. ترمذی، محمد بن عیسی ترمذی، سنن ترمذی، حدیث نمبر 2002)، دار الغرب اسلامی بیروت 1998م۔
21. سنن ترمذی، حدیث نمبر 1162)۔
22. سنن ترمذی، حدیث نمبر 1993۔
23. الکنز المدفون والفلک المشحون ص 12۔ سیوطی
24. نووی، محی الدین یحیی متوفی 676ھ شرح صحیح مسلم 147/7)، دار احیاء التراث بیروت ط 1392/2م۔
25. بخاری: محمد بن اسماعیل متوفی 256ھ، صحیح بخاری، حدیث نمبر 3405)، دار طوق نجات مصر 1422ھ۔
26. مسلم شریف، حدیث نمبر 537)۔
27. ابوداؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی المتوفی، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 4493)۔
28. سورۃ آل عمران آیت نمبر 159۔
29. مسلم شریف حدیث نمبر 2865)۔
30. مفتی: محمد زید، تحفۃ العلماء ص 411، مکتبۃ العلم اردو بازار لاہور۔
31. سنن ابوداؤد، حدیث نمبر 913۔
32. مجمع الزوائد، حدیث نمبر 13909۔
33. کاندھلوی، محمد یوسف، حیاۃ الصحابہ 180/1۔ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت 1420ھ۔

34. شیبانی: امام محمد متوفی موطاامام محمد، حدیث نمبر286، مکتبہ العلمیہ بیروت۔
35. سورۃ بقرہ آیت نمبر108۔
36. سورۃ آل عمران آیت نمبر132۔
37. سورہ یوسف آیت نمبر92۔
38. کاندھلوی، محمد یوسف، حیاۃ الصحابہ 204/1۔
39. سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر37۔
40. سورہ الزمر آیت نمبر42۔
41. صحیح مسلم، حدیث نمبر91)۔
42. صحیح مسلم، حدیث نمبر2620۔
43. بخاری: صحیح بخاری، حدیث نمبر4918۔
44. امام بخاری، صحیح بخاری، حدیث نمبر95۔
45. امام بخاری، صحیح بخاری۔ حدیث نمبر6536)۔
46. تھانوی، اشرف علی تھانوی، اصلاح انقلاب ص301۔ ادارۃ المعارف کراچی۔
47. امام بخاری، صحیح بخاری، حدیث نمبر91۔
48. حوالہ سابق حدیث نمبر121۔
49. حوالہ سابق، حدیث نمبر101۔
50. حوالہ سابق، حدیث نمبر134۔